قسط:۳

حدیثِ سفینہ رضی اللہ عنہ اور خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

موصوف ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

''عقیدہ قطعی ہوتا ہے ظنّی نہیں ہوتا اور قطعیات میں ظنّیات کا قطعاً کوئی دخل نہیں ہے۔شرح عقائد میں ہے:
''و لا عبرة بالظنّ فی باب الاعتقادیات''یعنی اعتقادی امور میں ظن کا کوئی اعتبار نہیں۔(اتمام البرہان،جلد:۳،ص:۶۹)

اس کے برعکس صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث''لا یزال الاسلام عزیزاً الی اثنی عشر خلیفة''بارہ خلفاء کے ادوار کو سامنے رکھ کر روایت نہیں کی گئی بلکہ شروع ہی سے مشہور تھی۔اگر چہ وہ صرف حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے لیکن ان سے روایت کرنے والے آٹھ دس تابعی ہیں جن کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ آٹھ اموی خلفاء کی حمایت میں یہ حدیث بیان کی ہوگی،اس سلسلے میں سب سے اہم بات یہ بھی ہے کہ اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی (کہ اسلام ان کے ادوار میں غالب رہے گا) بھی صحیح، سچی اور بطورِ امرِ واقع ثابت ہو چکی ہے۔

زیرِ بحث روایت،حدیث بارہ خلفاء کے علاوہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اس حدیث کے بھی خلاف ہے جس میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''بنی اسرائیل میں انبیاء حکومت وسیاست کرتے تھے جب ایک نبی کی وفات ہوتی تو دوسرا جانشین ہو جاتا اور میرے بعد تو کوئی نبی نہیں ہوگا البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت زیادہ ہوں گے۔''

کیا''وَ سَیَکُوْنُ خُلَفَاءُ فَیَکْثُرُوْنَ''(صحیح بخاری،کتاب الانبیاء۔رقم الحدیث:۳۴۵۵)

''وَ سَتَکُوْنُ خُلَفَاءُ فَتَکْثُرُ''(صحیح مسلم،کتاب الامارة۔جلد:۲،ص:۱۲۶)کے الفاظ کا یہی مطلب ہے کہ میرے بعد صرف چار خلفاء ہی''منہاج نبوت''کے مطابق امورِ خلافت سرانجام دیں گے پھر میری نبوت کی طرح حضرت حضرت علی رضی اللہ عنہ پر خلافتِ راشدہ کا''باب''ہی بالکل بند ہو جائے گا؟

کیا یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ جو دین قید زمانی و مکانی سے آزاد ہو اور جس کے لانے والے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ قیامت تک کے لیے''اسوۂ حسنہ''ہو،ان کا لایا ہوا نظام صحیح بنیاد پر صرف تیس برس (خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے زمانے) تک ہی قائم رہا؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ پیش گوئی فرما رہے ہیں کہ:

''یَکُوْنُ اِثْنَا عَشَرَ اَمِیْراً...... کُلُّھُمْ مِنْ قُرَیْشٍ '' (صحیح بخاری، کتاب الاحکام۔ رقم الحدیث:۷۲۲۲)

''لَا یَـزَالُ ھٰذَا الـدِّیـنُ عَـزِیـزاً مُـنِیـعًـا اِلـیٰ اِثْنَـیْ عَشَـرَ خَلِیْفَة '' (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ۔ جلد:۲ص:۱۱۹)

''لَا یَزَالُ ھٰذَا الدِّیْنُ قَائِمٌ حَتّٰی یَکُوْنَ عَلَیْکُمْ اِثْنَا عَشَرَ خَلِیْفَةً کُلُّھُمْ تَجْتَمِعُ عَلَیْهِ الْاُمَّةُ...... ''

(سنن ابی داؤد، کتاب الفتن، باب الملاحم۔ جلد:۲،ص:۲۳۹)

بلکہ ''وَ سَیَکُوْنُ خُلَفَاءُ فَیَکْثُرُوْنَ '' (صحیح بخاری، کتاب الانبیاء۔ رقم الحدیث:۳۴۵۵)

''وَ سَتَکُوْنُ خُلَفَاءُ فَتَکْثُرُ '' (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ۔ جلد:۲،ص:۱۲۶)

بارہ امراء وخلفاء کے دور تک دین اسلام ہمیشہ قائم وغالب رہے گا، کوئی بیرونی طاقت ان پر غلبہ نہ پا سکے گی، ان سب خلفاء پر امّت کا اجماع ہوگا، وہ سب قریش میں سے ہوں گے بلکہ حدیث کثرت خلفاء کی پیش گوئی میں تو غیر قریشی عثمانی (ترکی) خلفاء بھی شامل ہو جاتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ کے ادوار کو بہترین دور اور ان حضرات کو بہترین لوگ قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

''خَیْرُ کُمْ قَرْنِی ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ...... '' (صحیح بخاری، رقم الحدیث:۲۶۵۱،۶۴۲۸،۶۶۹۵)

خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث:۲۶۵۲،۳۶۵۱،۶۴۲۹)

لیکن سخت حیرت ہے کہ مذکورہ ارشاداتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے برعکس زیرِ بحث حدیثِ سفینہ رضی اللہ عنہ کی رو سے خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے پاکیزہ اور رشد وہدایت پر مبنی دور کو ہی غیر راشد اور ان کے خلفاء کو ''ملوک من شرّ الملوک'' قرار دے دیا جائے۔ ورنہ بتایا جائے کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ (م۷۴ھ) کی زندگی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، معاویہ ثانی اور حضرت مروان رضی اللہ عنہ کو بوجہ صحابیت وصالحیت مستثنیٰ کر کے کون سے ''اموی'' اور ''مروانی'' خلفاء پر شرّ الملوک (بصیغۂ جمع) کا اطلاق ہوتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا سارا دور رُشد وہدایت کا دور ہے۔ قرآن نے جملہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو راشد کہا، یہ خلیفہ ہوں گے تب بھی راشد ہیں اور خلافت کے بغیر بھی راشد ہیں۔ قرآن مجید اور حدیث میں کہیں بھی یہ مذکور نہیں ہے کہ صرف چار خلفاء صحابہ رضی اللہ عنہم راشد ہیں۔ اگر خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کو خلافت نہ ملتی تو کیا وہ راشد نہ ہوتے؟ جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم از نصِّ قرآن راشد تھے۔ ان میں سے جو حضرات منصب خلافت پر فائز ہوئے تو وہ یقینی طور پر خلیفہ راشد بھی ہو گئے۔ لامحالہ ہر مسلمان کو منصبِ خلافت کے حامل ہر صحابی کو خلیفہ راشد تسلیم کرنا پڑے گا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابیت کی ہر تعریف کے اعتبار سے جماعتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک ممتاز فرد ہیں اس لیے وہ یقیناً ارشادِ باری کے مطابق ''راشد'' ہیں۔ جب وہ منصبِ خلافت پر فائز ہوئے تو وہ یقینی طور پر خلیفہ راشد ہوئے لہٰذا ان

کے توسط سے ''خیر الناس وخیر القرون'' میں قائم شدہ نظامِ حکومت کو ''خلافتِ راشدہ'' کے علاوہ کوئی دوسرا نام دیا ہی نہیں جا سکتا۔ اس پر مفصّل و مدلّل گفتگو راقم الحروف کی زیرِ تالیف کتاب ''عقیدہ امامت اور خلافت راشدہ'' میں شامل ہے۔ جہاں تک حدیث ''عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْن...... '' (سنن ابی داؤد، کتاب الدیات۔ جلد: دوم، ص: ۲۸۷، جامع ترمذی، باب الاخذ بالسنۃ واجتناب البدعۃ، جلد: دوم، ص: ۹۲) کا تعلق ہے تو اس سے کوئی ادنیٰ ترین اشارہ بھی اس بات کا نہیں ملتا کہ راشد خلفاء صرف چار ہیں اور باقی پانچواں یا چھٹا خلیفہ بہر صورت ''غیر راشد'' ہی ہوگا۔ پھر اس ''تحدید'' کے باوجود حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو تو کسی نہ کسی درجے میں خلیفہ راشد تسلیم کر لیا گیا لیکن چھٹے خلیفہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شمولیت کو ''ناممکن'' تصور کرتے ہوئے زمرہ خلفائے راشدین سے ہی خارج کر دیا گیا۔ پھر نظریہ ضرورت کے تحت عمر بن عبدالعزیز، اورنگ زیب عالم گیر اور امام مہدی کی خاطر اپنے ''آئین'' میں ترمیم بھی کر لی گئی۔ معلوم نہیں کہ اس حدیث کی روشنی میں عربی زبان کے کن قواعد کے تحت اور دین کے کس اصول کی روشنی میں ''چار'' خلفائے راشدین مہدیّین مراد لیے گئے ہیں حالانکہ اس حدیث کے الفاظ میں نہ تو کوئی تعداد معیّن ہے اور نہ ہی اس میں حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ کی طرح کسی مدت وزمانہ کی تحدید کی گئی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم من حیث الطبقہ سارے کے سارے راشد ہیں۔ لیکن ''رشد'' کا سلسلہ ان ہی پر ختم نہیں کر دیا گیا بلکہ یہ تا قیامِ قیامت جاری رہے گا ''لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ'' (سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۸۶) کی قرآنی تصریح اس سلسلے میں حرفِ آخر ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ''اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ'' کے فرمانِ الٰہی کے مطابق یقیناً راشد ہیں اور کوئی مومن بالقرآن ان کے ''راشد'' ہونے کا انکار ہرگز نہیں کر سکتا۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بتصریح نام ان کے لیے ''ہادی ومہدی'' ہونے کی دعا بھی فرمائی ہے: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ ھَادِیاً وَّ مَھْدِیاًّ وَ اھْدِ بِهٖ. اے اللہ انہیں (یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ کو) ہادی ومہدی بنا اور ان کے ذریعے دوسروں کو بھی ہدایت دے۔

جو صحابی از نص قرآن ''راشد'' ہو اور از روئے حدیث ''ہادی ومہدی'' ہو اور اس کے ساتھ ساتھ وہ منصبِ خلافت سے بھی سرفراز رہا ہو تو اسے حدیث ''عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ '' کا مصداق ہونے سے کیوں کر خارج کیا جا سکتا ہے؟

حدیث ''بارہ خلفاء'' جس کا مصداق خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم اور (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تا ہشام بن عبدالملک م ۱۲۵ھ) آٹھ اموی خلفاء کو قرار دیا گیا ہے کی تائید حدیث ''رحی الاسلام'' سے بھی ہوتی ہے جو حدیث سفینہ رضی اللہ سے زیادہ صحیح ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تَدُوْرُ رَحَی الاسْلَامِ لِخَمْسٍ وَّ ثَلَاثِیْنَ اَوْ سِتٍّ وَّ ثَلَاثِیْنَ اَوْ سَبْعٍ وَّ ثَلَاثِیْنَ فَاِنْ یُّھْلِکُوْا فَسَبِیْلُ مَنْ ھَلَکَ وَ اِنْ یَّقُمْ لَھُمْ دِیْنُھُمْ یَقُمْ لَھُمْ سَبْعِیْنَ عَامًا قُلْتُ اَوْ مِمَّا مَضٰی قَالَ مِمَّا مَضٰی '' (سنن ابی داؤد بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الفتن۔ ص: ۴۶۵)

اسلام کی چکی پینتیس برس یا چھتیس برس یا سینتیس برس تک چلتی رہی گی۔ پھر اگر لوگ ہلاک ہوں (یعنی اختلاف کریں) تو وہ ان کی راہ پر ہوں گے جو ہلاک ہوئے (یعنی جولوگ اگلی اُمتوں میں سے ان کا دین اختیار کرنے کے سبب ہلاک ہوئے) اور اگر ان کا دین باقی رہے تو پھر اس کا سلسلہ ستر برس تک رہے گا۔ میں نے عرض کیا یہ ستر برس ان سالوں سے بعد ہوں گے جن کا ذکر ہوا یا مع ان کے۔ فرمایا جو زمانہ گزرا،اس کے بعد سے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت (۳۵ھ) تک ہی اسلام کی چکی کی اصل گردش موجود تھی۔ موصوف حدیث: **خیر الناس قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم** . کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ:

پہلا قرن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک لیا جائے۔ دوسرا قرن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ابتدائے خلافت سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت تک۔ تیسرا قرن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی اس تحقیق پر مترجم کتاب امام اہلِ سنّت مولانا عبدالشکور لکھنوی نیچے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''یہ مقام اس کتاب عالی نصاب کے ان مقامات میں سے ہے جہاں حضرت مصنف نے اپنی خداداد ذہانت اور اپنے وہبی علم کی بہار دکھائی ہے۔ اس حدیث کو جمہور نے تبع تابعین کے زمانہ تک منطبق کیا ہے مگر مصنف نے اس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ پر ختم کر دیا اور حق یہی ہے جو مصنف نے لکھا''

(ازالۃ الخفاء، جلد: اوّل، تحت مقصد اوّل فصل چہارم۔ ص:۲۸۶)

حدیث ''رحی الاسلام'' کے نصف اوّل میں شہادت عثمان رضی اللہ عنہ تک کا ذکر ہے جب کہ اس کے نصف آخر میں یہ بتایا گیا ہے کہ:

''پینتیس برس کے بعد اگر لوگ ہلاکت کی راہ پر چل نکلیں گے تو ان کا مقدور پھر وہی ہے جو ہلاک ہونے والوں کے لیے مقرر ہے لیکن اگر ان کا دین ان کے لیے قائم رہ گیا تو پھر اسلام کی چکی کا سفر ستر برس تک جاری رہے گا۔''

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ آقا یہ ستر برس کی مدت پہلے پینتیس برس شامل کر کے ہے یا ان سے الگ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ یہ مدت ان برسوں کے علاوہ آئندہ کے ستر برسوں پر مشتمل ہو گی۔ (یعنی 105=70+35 برس)

حضرت شاہ ولی اللہ اس مدت کی تعیین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''اس حدیث کا مضمون خارج میں ظاہر ہوا کہ کیونکہ ۳۵ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور جہاد کا انتظام بگڑ گیا۔ پھر حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جہاد کا انتظام قائم ہوا۔ اس تاریخ سے ستر برس

کے بعد بنی امیہ کی سلطنت زائل ہوگئی۔'' (ازالۃ الخفاء، جلد: اوّل۔ ص: ۴۸۱۔۴۸۲۔ تحت مقصد اوّل فصل پنجم۔ بیان فتن)

موصوف کی تصریح کے مطابق شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد جہاد کا نظام بگڑ گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پورا دور انتشار وخلفشار کا شکار ہوگیا لیکن جلد ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت سے جہاد کا سلسلہ وانتظام پھر قائم ہوا جس کا اعتراف کرتے ہوئے امام ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:

والجهاد فی بلاد العدوّ قائم وكلمة الله عالية و الغنائم تردّ اليه من اطراف الارض والمسلمون معه فی راحة و عدل وصفح و عفو. (البدایہ والنہایۃ، جلد: ۸، ص: ۱۱۹)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں دشمنوں کے ممالک میں جہاد جاری رہا، اللہ کا کلمہ سربلند رہا اور اطراف واکناف سے غنائم کی ریل پیل کا سلسلہ رواں دواں رہا اور مسلمان ان کے زیرِ سایہ راحت وعدل اور عفو ودرگزر کی زندگی بسر کرتے رہے۔

حدیث ''رحی الاسلام'' کے نصف آخر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت (۴۱ھ تا ۶۰) سے مزید ستر سال یعنی اختتام خلافت بنی اُمیہ (130=60+70) تک غلبہ اسلام کی بشارت دی ہے جو امر واقع کے طور پر تاریخ اسلام کا جھومر ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ حدیث ''بارہ خلفاء'' کے مصداق میں ہشام بن عبدالملک (عہد خلافت ۱۰۵ھ تا ۱۲۵ھ) کو بارہواں خلیفہ قرار دیا گیا ہے۔ اگرچہ ہشام کے بعد بھی چار مزید اموی خلفاء نے ربیع الاوّل ۱۳۲ھ تک خلافت کے فرائض سرانجام دیے لیکن ہشام کو فتوحات اور دینی وسیاسی غلبے کے خلاف علویوں اور عباسیوں کی تحریک ودعوت کا آغاز ہوا۔ جو ہشام کی وفات کے سات سال کے اندر ہی ایسی قوی ہوگئی کہ اس کے نتیجے میں ۱۳۲ھ میں خلافت عباسیہ کا قیام ممکن ہوا۔

اگر حدیثِ سفینہ رضی اللہ عنہ کو روایتاً ہر اعتبار سے صحیح گردانتے ہوئے معمول بہ قرار دیا جائے تو اس سے زیادہ سے زیادہ یہ لازم آئے گا کہ مراد خلافتِ خاصہ، موعودہ راشدہ ہے جس کا مصداق خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم ہیں جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت ''عامّہ غیر موعودہ راشدہ'' ہے۔ جیسا کہ جماعت خدامِ اہل سنّت کے روحانی پیشوا قاضی مظہر حسین صاحب مرحوم کا نظریہ تھا۔ لیکن اس پر ایک چھوٹا سا سوال ہے کہ موعودہ یا غیر موعودہ ہونے سے خلافت کے راشدہ یا غیر راشدہ ہونے پر آخر وہ کون سا اثر پڑتا ہے جس کی وجہ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سرے سے خلیفہ تسلیم کرنے سے ہی انکار کر کے مَلِکْ اور بادشاہ قرار دے دیا جائے۔ نعمت چاہے مترقب یا غیر مترقب آخر کار نعمت ہی ہے۔ اسی طرح نعمت کا غیر مترقبہ ہونا نعمت کی کمتری کو ہرگز مستلزم نہیں بلکہ بعض اوقات نعمت غیر مترقبہ منعم علیہم کی نظر میں نعمت مترقبہ سے بعض پہلوؤں کے اعتبار سے زیادہ دل خوش کن اور زیادہ نفع بخش ہوتی ہے۔ خلافت کی اقسام پر ایک مستقل مضمون نقیب ختم نبوت میں عنقریب شائع ہوگا۔ (انشاءاللہ العزیز)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ احاد، در احاد ہونے کے علاوہ سنداً بھی ضعیف ہے جب کہ باعتبار متن معلول ہے جس کی وضاحت پیچھے گزر چکی ہے۔ بلکہ کتب حدیث میں ایسی مثالیں بھی پائی جاتی ہیں کہ حدیث

سنداً بالکل صحیح ہے مگر متن کے اعتبار سے علمائے حدیث نے اس کو معلول بلکہ موضوع تک قرار دیا ہے۔ اہلِ علم اس سے بخوبی آگاہ ہیں۔

اس بحث کے بعد حدیثِ سفینہ رضی اللہ عنہ کے متعلق چند علمائے کرام کی آراء ملاحظہ فرمائیں۔

قاضی ابوبکر ابن العربی اندلسی (م ۵۴۳ھ) لکھتے ہیں کہ:

هٰذا حديث لا يصح . یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

مشہور محقق علامہ محبّ الدین الخطیب اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

'' کیونکہ سفینہ رضی اللہ عنہ سے اس کا راوی سعید بن جمہان ہے۔ اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں۔ بعض نے اس کو ثقہ بھی کہا۔

امام ابو حاتم نے کہا اس بوڑھے سے احتجاج نہ کیا جائے اور اس کی سند میں حشرج بن نباتہ واسطی ہے۔ بعض نے اسے ثقہ کہا ہے اور نسائی نے کمزور (ضعیف) کہا ہے۔ اور عبداللہ بن احمد بن حنبل اس حدیث کو سوید طحان سے روایت کرتے ہیں ان کے متعلق حافظ ابن حجر تقریب میں کہتے ہیں اس کی حدیث کمزور ہے۔ اور پھر یہ حدیث مہلہل کی حدیث (بارہ خلفاء) کے معارض ہے جو صحیح بھی ہے اور صریح بھی۔ جسے مسلم نے کتاب الامارۃ میں جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے......اور یہ حدیث صحیح بخاری کی کتاب الاحکام میں بھی ہے۔''

(العواصم من القواصم، اردو۔ ص: ۳۲۶۔ ۳۲۷، طبع دوم ادارہ احیاء السنۃ گرجاکھ۔ گوجرانوالہ)

علامہ ابن العربی نے اس کتاب کا نام ''العواصم من القواصم'' رکھا یعنی وہ چیزیں جو ایمان کو توڑ دیتی ہیں اور برباد کر دیتی ہیں ان سے محفوظ رکھنے والے حقائق۔ اسی وجہ سے جدید عربی میں ''عاصمہ'' چھاؤنی کو کہا جاتا ہے اور ''قواصم'' قاصم کی جمع ہے یعنی توڑ دینے والی۔ انسان کے لیے کمر توڑ حادثہ اور ایمان کو برباد کر دینے والی باتیں کیونکہ بعض اسلام دشمن لوگوں نے متون اسلام میں ایسی چیزیں درج کر دیں جن کو قبول کر لینے سے انسان ایمان سے دیوالیہ ہو جاتا ہے۔

اور عاصمہ یعنی اس حادثہ کا اصل حقیقت جس کی وجہ سے انسان کا ایمان محفوظ رہتا ہے۔ عاصمہ کا معنی ہی حفاظت کرنے والی ہے۔

علامہ ابن العربی نے اسی کتاب میں حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے گویا موصوف کے نزدیک اس حدیث کی صحت کا قائل ہونا بھی کسی ''کمر توڑ حادثے'' سے کم نہیں ہے۔

مشہور مؤرخ اسلام علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدوں لکھتے ہیں کہ:

حديث الخلافة بعدي ثلاثون سنة'' کی طرف توجہ نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس کی صحت پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچتی۔ (تاریخ ابن خلدون، حصہ اوّل، ص: ۵۵۵)

شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی حدیثِ سفینہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

''اگر اس حدیث کے ضعف سے قطع نظر کر لی جائے جیسا کہ ناقدینِ حدیث نے تصریح کی ہے تو ایک دوسری حدیث میں یہ بھی ہے (اس کے بعد موصوف حدیث ''رحی الاسلام'' اور حدیث ''بارہ خلفاء'' کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:) ان بارہ خلفاء میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یقیناً داخل ہیں کہ وہ صحابی ہیں اور ان کی خلافت میں اسلام کو عروج بھی بہت تھا۔ فتوحات بھی بہت ہوئیں، حدیث میں ان بارہ کو ''خلیفہ'' کہا گیا ہے ''ملک'' نہیں کہا گیا۔''

(برأۃ عثمان رضی اللہ عنہ، ص: ۵۶۔۵۷۔ ناشر مرکزی مجلس خدّ ام صحابہ رضی اللہ عنہم ملتان)

مفکر اسلام مولانا محمد اسحاق صدیقی ندوی سابق شیخ الحدیث ومہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر شعبہ ''دعوت وارشاد'' الجامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی لکھتے ہیں کہ:

''خلافت صرف تیس سال باقی رہنے والی روایت ثابت ہی نہیں اور اگر بالفرض ثابت ہو تو علماء محققین کے نزدیک ظاہر پر محمول نہیں بلکہ مسئول ہے۔ بعض علماء نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ تیس سال جو خلافت رہے گی وہ بہت اہم اور ممتاز درجہ کی ہوگی یوں خلافت اس کے بعد بھی رہے گی۔ مقصد کلام دلوں میں اس زمانہ کی خلافت کی عظمت زیادہ کرنا ہے نہ کہ تیس سال کے بعد نفس خلافت کی نفی کرنا۔ لیکن راقم کے نزدیک یہ حدیث ثابت ہی نہیں اس لیے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔''

(اظہارِ حقیقت بجواب خلافت وملوکیت۔ جلد: سوم، ص: ۴۴۴۔ ناشر اسلامی کتب خانہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی)

یہ ملحوظ رہے کہ حضرت سندیلوی رحمہ اللہ علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کی دعوت پر علامہ بنوری ٹاؤن میں ایک استاذ کی حیثیت سے تشریف لائے تھے جن کے متعلق حضرت بنوری رحمہ اللہ نے ایک انٹرویو میں فرمایا تھا:

''ان سب (طلباء) کو چھبیس اساتذہ درس دیتے ہیں۔ سب کے سب فضل وکمال کا پیکر ہیں۔ ان افاضل میں ''ندوۃ العلماء لکھنؤ'' کے سابق شیخ الحدیث اور مہتمم مولانا محمد اسحاق صدیقی بھی شامل ہیں جو انگریزی، عربی، اردو تینوں زبانوں کے ماہر ہیں۔'' (خدام الدین لاہور۔ ۲۳ راگست ۱۹۷۴ء)

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی ایک اشکال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

''یہاں یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے بعد خلافت تیس سال تک رہے گی اور اس کے بعد کاٹ کھانے والی ملوکیت آجائے گی۔ یہ تیس سال حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت پر ختم ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہدِ حکومت شروع ہوتا ہے۔

اس اعتراض کے جواب میں بعض علماء نے اس حدیث کی سند پر تنقید کر کے اس غیر صحیح قرار دیا ہے چنانچہ قاضی ابوبکر بن العربی فرماتے ہیں کہ:

هٰذا حديث لا يصح. یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

اور بعض دوسرے علماء نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث مجمل ہے اور اس میں تیس سال کے بعد ایک عمومی حکم بیان فرمایا گیا ہے۔ ہر ہر فرد کی تفصیلات بیان نہیں کی گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا عہدِ حکومت اس سے باتفاق مستثنیٰ ہے۔'' (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخ حقائق۔ ص: ۱۳۲۔۱۳۳)

محقق اہلِ سنّت سابق شیخ الحدیث دار العلوم فاروقیہ راولپنڈی مولانا ابوریحان عبدالغفور سیال کوٹی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

''اگر اہلِ سنّت کے اس استدلال کو دیکھا جائے جس میں وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کو حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تکملہ بنا کر قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ کے تیس سال پورے کیا کرتے ہیں تو پھر یہ تک بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ ہی پہنچی تھی۔ اسی سے دست بردار ہوکر اسی کو انہوں نے آگے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا تھا۔ بادشاہت والی حکومت نہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس تھی نہ ان کو اوپر سے پہنچی تھی اور نہ انہوں نے وہ آگے سپرد ہی کی تھی۔ جب ان کو سپرد ہی خلافت راشدہ ہوئی تھی تو ادھر سے ادھر جاتے ہیں آخر وہ بادشاہت کیسے بن گئی؟ کیا صرف اس لیے کہ حدیثِ سفینہ رضی اللہ عنہ میں تیس سالہ خلافت کے بعد ''ثم یؤتی اللہ الملک من یشاء'' آیا ہے؟ تو یہ لفظ تو حدیث میزان میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے ذکر کے بعد بھی آیا ہے۔ ان حضرات شیخین کی خلافت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''خلافة نبوة ثم یؤتی اللہ الملک من یشاء'' اس سے تو حضرت عثمان وحضرت علی رضی اللہ عنہما کی خلافت بھی بادشاہت ثابت ہوتی ہے۔

نیز شاہ صاحب دہلوی رحمہ نے احادیث خلافت کا تفصیلی ذکر کر کے یہاں تک تصریح کردی ہے کہ نقل متواتر سے جس سے زیادہ معتبر شرعیات میں کوئی نقل نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا ثابت ہو چکا ہے کہ بعد شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلافت برطریق نبوت نہ رہے گی اور کاٹ کھانے والی سلطنت ظاہر ہوگی۔ (ازالۃ الخفاء، ص:۵۵۲، جلد:۱)

اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی کاٹ کھانے والی سلطنت بنتی ہے۔ جو تاویلیں ان حدیثوں میں کی جاتی ہیں وہی آخر حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ میں کیوں نہیں ہوسکتیں اور کیوں نہیں کرلی جاتیں؟ اور کیوں نہیں کی گئیں؟ یہاں ہی معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''مَلِکْ'' اور ان کی حکومت کو ''ملوکیت'' کہنے کو ہی آخر ''سنت'' کیوں بناڈالا گیا؟

(ماہنامہ ''نقیبِ ختمِ نبوت ملتان۔ جون ۲۰۱۰ء۔ ص: ۱۰۔۱۱)

حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ سے متعلق گزشتہ ساری بحث اس کی سند، متن اور بالخصوص اس کے الفاظ ''ثلاثون سنۃ'' کے پیش نظر کی گئی ہے جب کہ امام ترمذی کے یہ الفاظ انتہائی قابلِ غور اور توجہ طلب ہیں جو انہوں نے حدیثِ سفینہ رضی اللہ عنہ کے بالکل آخر میں نقل کیے ہیں:

و فی الباب عن عمر و علی قالا لم یعهد النبیّ فی الخلافة شیئا.

یعنی اس باب میں عمر اور علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ دونوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے حق میں کچھ زمانے کی مدت بیان نہیں کی۔

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا یہ قول جسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے ہر اعتبار سے قابلِ ترجیح ہے اور اسے تسلیم کر لینے کے بعد اپنی شرائط کے ساتھ خلافت راشدہ کا قیامت تک جاری

انتظامیہ

رہنا ثابت ہوجاتا ہے جس میں امام مہدی کی خلافت بھی شامل ہے۔

حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ میں ''ثلاثون سنۃ'' کے الفاظ کسی راوی کا اپنا اضافہ معلوم ہوتا ہے اور یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ''خلافت علیٰ منہاج النبوۃ'' سے خارج کرنے کے لیے خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کا باقاعدہ حساب کر کے شامل کیے گئے ہیں۔ اس طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی شش ماہی خلافت بھی محفوظ ہوگئی کیونکہ ان کی مدت خلافت کو شامل کیے بغیر ''تیس'' کا عدد ثابت ہی نہیں ہوسکتا۔

اگر حضر معاویہ رضی اللہ عنہ منصب خلافت پر فائز نہ ہوتے یا اگر وہ اپنے بعد یزید کو اپنا جانشین نامزد نہ کرتے یا حضرت حسین رضی اللہ عنہ یزید کو برطرف کر کے زمام خلافت سنبھال لیتے تو پھر حدیث سفینہ جو پہلے ہی دوصدیوں تک سینہ بہ سینہ محو گردش رہی اسی طرح مستور ہی رہتی اور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ اپنی شرائط کے ساتھ باقی رہتی۔ چنانچہ مولانا ابو الاعلیٰ مودودی صاحب خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ کے باقی رہنے کے امکان پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''اب خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ کے بحال ہونے کی آخری صورت صرف یہ باقی رہ گئی تھی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا تو اپنے بعد اس منصب پر کسی شخص کے تقرر کا معاملہ مسلمانوں کے باہمی مشورے پر چھوڑ دیتے یا اگر قطع نزاع کے لیے اپنی زندگی ہی میں جانشینی کا معاملہ طے کر جانا ضروری سمجھتے تو مسلمانوں کے اہل علم واہل خیر کو جمع کر کے انہیں آزادی کے ساتھ یہ فیصلہ کرنے دیتے کہ ولی عہدی کے لیے امت میں موزوں تر آدمی کون ہے؟ لیکن اپنے بیٹے یزید کو ولی عہدی کے لیے خوف وطمع کے ذرائع سے بیعت لے کر انہوں نے اس امکان کا بھی خاتمہ کردیا۔ (خلافت وملوکیت، ص: ۱۴۸)

اس سے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خود خلافت قبول نہ کرتے یا پھر اپنے بعد یزید کو نامزد نہ کرتے تو پھر خلافتِ راشدہ کا سلسلہ اور تسلسل جاری رہ سکتا تھا اور اگر بالفرض زیرِ بحث حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ روایتاً ودرایتاً ہر اعتبار سے ''صحیح'' ہے تو پھر حضرت حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما تو کیا بلکہ آیت تمکین واستخلاف کے مصداق اور موعود لہم مہاجر صحابہ رضی اللہ عنہم جو اس وقت بقیدِ حیات تھے مل کر بھی اس نبوی پیش گوئی کے ظہور کو نہیں روک سکتے تھے۔ جاری ہے